معیشت کی چراہ گاہ کے معاشی حیوان

تحریر: سہیل احمد لون

برسوں بعد وطن عزیز جانے کا اتفاق ہوا۔ لاہور کے ائیر پورٹ سے لیکر اپنے آبائی گھر (شمالی لاہور) تک کا سفر ماضی اور حال کے تقابلی جائزے میں کیسے گزرا پتہ ہی نہ چلا۔ وقت اور حالات نے کافی کچھ بدل دیا تھا سب سے خوش گوار تبدیلی سڑکوں پر نظر آئی۔ فلائی اوور، انڈر پاس کے علاوہ لاہور کا رنگ روڈ دیکھ کر پتہ چل گیا کہ خادم اعلیٰ حسب روایت، حسب عادت اور حسب موروثیت سڑکوں کے معاملے میں بڑے سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ صبح سویرے جب گھر پہنچا تو ہمشیرہ نے ناشتے کا پوچھا تو بے تلف ہو کر کہہ دیا کہ جو سب کے لیے بنانے لگی ہو مجھے بھی دے دینا۔ اس نے جیسے ہی انڈہ توے پر ڈالا گیس ناراض ہوگئی چولہے کی آنکھ بند ہوتے ہی ہمشیرہ کی آنکھوں میں شرمندگی جھلکنے لگی۔ اس نے جلدی سے چائے کپ میں ڈال کر کہا کہ اس سے پہلے کے چائے بھی ٹھنڈی ہو جائے آپ رس کھا کر گزارہ کر لیں۔ گیس کی لوڈشیڈنگ کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ خیر چند دنوں میں ہم بھی باقی عوام کی طرح عادی ہو گئے، ناشتے کے لیے سحری کے وقت اٹھتے کیونکہ اس وقت گیس کا پریشر اتنا ہوتا تھا کہ ناشتہ بن سکے۔ جن حالات میں ہماری عوام شب و روز گزار رہی ہے اس سے ان کے صبر، برداشت اور مست مدہوشی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گلی محلوں میں نئی نسل میں لاہور کی مخصوص ثقافت کی جھلک کافی کم تھی۔ دیس میں بہت سی ولائتی چیزیں عام تھیں جن میں نفسا نفسی سب سے نمایاں تھی۔ مجھے ایک ضروری میل کرنی تھی لیکن اپنے علاقے میں بجلی غائب تھی لہذا کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے گڑھی شاہو تک آنا پڑا جہاں پر جنریٹر پر نیٹ کیفے چل رہے تھے۔ کام سے فارغ ہوا تو کچھ پرانی یادیں تازہ کرنے کے لیے گڑھی شاہو کے سموسے کھانے چلا گیا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکا میرے پاس آیا اور مجھے کہنے لگا کہ میں نے کل سے کھانا نہیں کھایا میری کچھ مدد کریں۔ میں نے اس کو سموسے کھانے کی دعوت دی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے کہا اگر آپ نے مدد ہی کرنی ہے تو مجھے دس روپے دے دیں۔ میں نے اسے کہا اگر کچھ اور کھانا ہے تو بتاؤ میں کھلا دیتا ہوں مگر وہ نقد اور وہ بھی کیش لینے پر بضد تھا۔ بھکاری کے بھیک مانگنے کا یہ انداز بھی بڑا سیاستدانہ لگا۔ اس میں اس کا بھی کیا قصور جہاں پر ملک کے سربراہ ہی ہاتھ میں کشکول پکڑ کر نقد اور وہ بھی کیش کا منشور اپنائے ہو، وہاں ایک عام بھکاری سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ دراصل بھکاری بھی ملکی سربراہان کی طرح ہیں، نہ ہی ان کا پیٹ خالی ہوتا ہے اور نہ ہی روٹی کی بھوک ہوتی ہے ان کی لالچ کا کنواں ہمیشہ خالی ہوتا جسے صرف نوٹوں کی بھوک ہوتی ہے۔ کبھی فقیر گلی محلوں میں روٹی کا سوال کرتے نظر آتے تھے آج ''دس روپے کا سوال ہے بابا'' کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ وزیر سے لیکر فقیر تک ایک ہی شمار و قطار میں ہر کوئی جھولی پھیلائے بیٹھا ہے اور طلب بھی سب کی یکساں ہے۔ اس لحاظ سے فقیر اور وزیر ہم پیشہ ہی ہوئے جن کا پیشہ ہی مانگنا ہے۔ الیکشن سے پہلے ووٹ اور منتخب ہو کر پیسہ۔ ویسے اگر جدید انسان کو دیکھا جائے تو ''زر پرستی'' میں یگانہ اور اپنوں سے بیگانہ دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا جس میں ایسی صفات رکھیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی ماحول میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ معاشرتی حیوان نے اپنی صفات اور خواص کو بروئے کار لا کر ارتقائی عمل برق رفتاری سے طے کیا۔ غاروں

سے نکل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں سب مل کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹ کر خوش وخرم زندگی بسر کرتے تھے۔مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ معاشرتی حیوان صرف ''معاشی حیوان'' ہی بن کر رہ گیا۔اب وہ دور گزر گیا جب یہ اپنے جیسی اولاد آدم کے ساتھ محبت اور مروت کا تعلق مفت میں استوار کرتا تھا۔اب تو مادی فائدہ ہی سب تعلقات کی شرط اولین ہے۔ ہر تعلق داری کا محور پیسہ ہی رہ گیا ہے۔جس کے حصول کے لیے ایک معاشی حیوان دوسرے معاشی حیوانوں کے پہلو بہ پہلو ''معیشت کی چراہ گاہ'' میں مال وزر کی جگالی کرتے نظر آتے ہیں۔مال وزر کی ہوس میں یہ اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ ان کو اپنے اور پرائے ''میدان معیشت'' کی حدود بھی نظر نہیں آتیں۔اکثر طاقتور معاشی حیوان کمزور معاشی حیوانوں کے میدان معیشت پر ناجائز قبضہ بھی کر لیتا ہے اس کام میں کمزور معاشی حیوانوں کو لالچ دیکر کرغداری پر بھی اکسایا اور اپنے ساتھ ملایا جاتا ہے۔طاقتور معاشی حیوانوں کی کمزور معاشی حیوانوں سے دوستی صرف '' محبوب ومطلوب'' شئے کے حصول کو آسان اور یقینی بنانے کے لیے ہوتی ہے۔قربت وا پنائیت کے اس جھوٹے اور مکروہ کھیل میں کمزور معاشی حیوان اپنے ساتھیوں کے جذبات ،احساسات اور ضروریات کی قربانی دے کر ''میچ فکس'' کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔دراصل یہ دولت کے وہ پجاری ہیں جن کی ''دیوی اور لکشمی'' صرف ''مایا'' ہی ہوتی ہے۔جس کی پرستش میں وہ اپنے قلب وذہن کی ساری طاقت صرف کر دیتے ہیں۔فکر معاش میں شب وروز اتنے مگن رہتے ہیں کہ ان کو نیند بھی آسانی سے نہیں آتی۔اگر ذرا آنکھ لگ بھی جائے تو خواب میں بھی لین دین کے معاملات چلتے رہتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ ''لین دین'' میں صرف لین کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔دین تو خواب میں اتنا گراں گزرتا ہے تو حقیقت میں کیا عالم ہو گا؟ جب ملکی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے جو ''زر'' کے پجاری ہوں۔ جو غریب عوام کو لوٹیں اور بیرون ممالک سے بھیک مانگتے پھریں تو ملک کا عام فقیر بھی روٹی کی بجائے پیسے کا سوال کرے تو معیوب نہیں۔ جب تک معاشی حیوان ہمارے سر پر مسلط رہیں گے ہم کبھی معاشرتی حیوان نہیں بن سکتے۔معاشرتی حیوان کو ایک صحت مند معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے جو محبت ،اتحاد، برداشت اور خود انحصاری کے بغیر ممکن نہیں۔قرضے میں لی ہوئی بیساکھیوں سے چلنے والا کبھی کسی کا سہارا نہیں بن سکتا۔کسی کا سہارا بننے کے لیے پہلے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔المیہ یہ ہے کہ معاشی حیوانوں کا بیرونی ہاتھ جب بھی معاشی حیوانوں کے اندرونی ہاتھ سے ملتا ہے تو غریب معاشرتی حیوان دونوں ہاتھوں میں مسلے جاتے ہیں۔اب وقت آ گیا ہے کہ یہ معاشرتی حیوان اپنی بقاء کی جنگ لڑنے کے لیے ایسے ہی متحد ہو جائیں جیسے یہ معاشی حیوان.....!!!